صاحب ہدایہ پر ابن ابی العز کے اشکالات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

(کتاب الشہادات تا کتاب الاکراہ کے منتخب مقامات کی روشنی میں)

Research and Analytical Study of the Problems of Ibn e Abi-El-Ezz on Sahib E Hidaya

(Kitab al-Shuhadat to Kitab al-Ikrah in the light of selected places)

* عبدالمجید: پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

** ڈاکٹر سعید احمد: اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

Al-Hidayah, written by Allama Ali ibn Abi Bakr al-Marghinani, is one of the famous books of Hanafi jurisprudence. First, he compiled a short book "Bidayaat ul-Mubtadi" keeping in view Imam Muhammad's book Al-Jami ul-Saghir and Imam Qadduri's Al-Mukhtasar. After that, he wrote a detailed book named "Kifayat-ul-Mubtadi", but this book was too long, due to which there was a fear that the readers might get tired. Due to the above-mentioned situation, he wrote a book as an abstract of Kifayat-ul-Mubtadi" and that was the book which is called Al-Hidayah. Fortunately, this book became so popular not only among Hanafi jurisprudence but also among scholars belonging to other schools of jurisprudence. However, there were some scholars who criticize on this book due to some reasons. In those critics, the most famous critic on Hidaya was Allama Ali Bin Ali Alias Ibn-e- abi il iz. When he studied the Hidaya, he expressed his opinion on the places which he found difficult and objectionable with the arguments. In this way, he prepared a huge collection of those objections, which he called "Al-Tanbih Ala Mushkalat Al-Hidaya". In the following lines, an attempt has been made to examine the same objections made by Ibn-e- Abi Al-iz. Besides the critically examining, in this article, the methodology of Ibn-e- Abil iz is also described with examples.

Keywords:*Hanafi jurisprudence, Al-Hidayah, Criticize on Hidaya, methodology of Ibn-e Abil Iz.*

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی علیہ الرحمۃ(م593ھ) کی تصنیف "الہدایہ" فقہ حنفی کی امہات الکتب میں سے ہے۔صاحب ہدایہ نے امام محمد کی کتاب الجامع الصغیر اور امام قدوری کی المختصر کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مختصر کتاب "بدایۃ المبتدی" تالیف فرمائی۔اس کے بعد اس کی شرح "کفایۃ المبتدی" کے نام سے تحریر فرمائی مگر یہ شرح طویل تھی، جس کی وجہ سے یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں قاری اور استفادہ کرنے والے اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔اس بات کے پیشِ نظر علامہ مرغینانی نے اس کی تلخیص "الہدایہ" کے نام سے تالیف فرمائی۔اس کتاب کو اس قدر قبولِ عام حاصل ہوا کہ یہ نہ صرف فقہ حنفی بلکہ دیگر مذاہب ِ فقہیہ سے تعلق رکھنے والے اہل ِ علم میں بھی متداول رہی۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک اس کی ساٹھ سے زائد شروحات لکھی جاچکی ہیں۔ان شروح میں احکام ِ فقہیہ کے عقلی و نقلی دلائل اور دیگر پہلوؤں سے ان کے مالہ وماعلیہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔علاوہ ازیں جہاں درست معلوم ہوا ،وہاں شارحین نے صاحب ِ ہدایہ کی کتاب پر نقد و تبصرہ سے بھی گریز نہیں کیا۔ان ناقدین میں سے ایک بڑا نام علامہ علی بن علی بن ابی العز(م792ھ) کا بھی ہے۔انہوں نے ہدایہ کا مطالعہ کیا تو انہیں جو مقامات محلِ اشکال اور قابلِ اعتراض نظر آئے، ان پر انہوں نے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔اس طرح ان اشکالات کا ایک ضخیم مجموعہ سامنے آیا، جسے انہوں نے "التنبیہ علی مشکلات الہدایۃ" کے نام سے موسوم کیا۔ذیل کی سطور میں ابن ابی العز کے انہی اشکالات کا جائزہ لینے کی سعیٔ محمود کی گئی ہے۔ان اشکالات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی العز کا منہج واسلوب واضح کر دیا جائے تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

ابن ابی العز کا منہج

اشکالات کو بیان کرنے میں ابن ابی العز کا منہج یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ صاحب ہدایہ کی اس عبارت کو نقل کرتے ہیں جس میں کوئی اشکال موجود ہو۔اس کے بعد "فیہ نظر"کے الفاظ سے اپنے اشکال کو بیان کرتے ہیں۔کبھی کبھار ان الفاظ کے بغیر ہی اشکال بیان کر دیتے ہیں اور پھر اپنے موقف کے حق میں دلائل ذکر کرتے ہیں۔کتاب میں مذکور اشکالات کی نوعیت کے بارے میں ابن ابی العز نے خود کتاب کے مقدمہ میں اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں تین طرح کے اشکالات کو جمع کیا ہے۔[1]

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الہدایہ (مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۲ھ)/۱ ۲۳۸
Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah (Maktabah Al-Rushd, Riyad, Edition:1, 1422 AH),1/238

۱۔ صاحبِ ہدایہ کے الفاظ سے متعلقہ اشکالات

۲۔ صاحب ہدایہ کی بیان کردہ علتِ مسئلہ پر اشکال

۳۔ زیر بحث مسئلہ میں نفسِ حکم پر اشکال

صاحبِ ہدایہ کی عبارت اور الفاظ پر ابن ابی العز کے اشکالات کا تجزیہ

بعض مقامات پر صاحب ہدایہ کی عبارت میں ایسا سقم اور رکاکت پائی گئی، جس کی وجہ سے زیرِ بحث مسئلہ کے فہم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ صاحب التنبیہ نے ایسے مقامات کی بھی نشان دہی کی ہے اور اس میں انہیں شارحینِ ہدایہ بالخصوص علامہ کمال الدین ابن الھمام کی تائید حاصل رہی ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں تاکہ مثال کے ساتھ مقال واضح ہو جائے۔

امثلہ:

۱۔ اگر مرض الموت میں مبتلا کسی شخص نے اپنے اوپر قرضوں کا اقرار کیا اور اس پر پہلے سے حالتِ صحت میں بھی قرض موجود ہیں تو اس صورت میں سب سے مقدّم وہ قرض ہوں گے، جو حالتِ صحت میں اس پر لازم ہوئے تھے اور وہ قرض جو اس پر کسی ایسے سبب سے لازم ہوئے تھے، جو معروف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالتِ صحت کے قرض خواہوں کا حق اس کے مال کے ساتھ پہلے سے ہی متعلق ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے ہی اسے ایک ثلث سے زائد مال کی وصیت کرنے سے منع کیا گیا ہے[1]۔

مذکورہ مسئلہ میں صاحبِ ہدایہ کی بیان کردہ علت محلِ اشکال ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لأن حق غرماء الصحة تعلق بهذا المال استيفاء ولهذا منع من التبرع والمحاباة إلا بقدر الثلث۔[2]

"کیونکہ حالتِ صحت کے قرض خواہوں کا حق اس مال کی وصولی سے تعلق رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ہی اسے تبرع اور محاباۃ سے منع کیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ یہ ایک ثلث کی مقدار ہو۔"

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ (دار احیاء التراث العربی، بیروت، س، ن)، ۳/ ۱۸۶

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah (Dar Ihya Al-Turath Al-'Arabi, Bairoot), 3/186

[2] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ، ۳/ ۱۸۶

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah,3/186

صاحب التنبیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک ثلث سے زائد وصیت کا ممنوع ہونا اس لیے نہیں کہ میت کے مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، بلکہ ایسا اس لیے ہے کہ اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق وابستہ ہوتا ہے۔ اگر میت پر قرض نہ بھی ہو، پھر بھی ایک ثلث سے زائد کی وصیت ممنوع ہوتی ہے۔ اگر وصیت کا ممنوع ہونا قرض خواہوں کے حق کی وجہ سے ہوتا تو اس صورت میں ایک ثلث سے زائد کی وصیت ممنوع نہ ہونی چاہیے تھی، جب میت پر کوئی قرض ہی نہ ہو۔ صاحب التنبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

في تعليله الثاني نظر، وهو قوله: ولهذا منع من التبرع والمحاباة إلا بقدر الثلث، فإن منعه من التبرع والمحاباة إلا بقدر الثلث ليس لتعلق حق الغرماء بماله، فإنه لو ضاقت التركة لم تنفذ الوصية إلا أن يبقى بعد وفاء الدين ما ينفذ من ثلثه، وإنما ينفذ من الثلث فقط لتعلق حق الوارث لا لتعلق حق الغرماء، ولهذا ينفذ من الثلث، وإن لم يكن عليه دين أصلاً۔[1]

اس اشکال کے قائم ہونے کی وجہ صاحبِ ہدایہ کی عبارت میں پایا جانے والا سقم ہے۔ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک ایک ثلث سے زائد کی وصیت قرض خواہوں کے حق کی وابستگی کی وجہ سے ممنوع ہے۔ صاحبِ فتح القدیر نے اس مقام پر ایک طویل بحث کے بعد جو نتیجہ پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں صاحبِ ہدایہ کو اپنے کلام میں یہ قید لگانی چاہیے تھی کہ مرض الموت میں مبتلا شخص کو تبرع اور محاباۃ سے اس وقت منع کیا گیا ہے جب اس پر اتنا قرض ہو جو اس کے کل مال کو محیط ہو۔ اس صورت میں سرے سے اس کی وصیت نافذ ہی نہ ہوگی، چاہے وہ ایک ثلث میں ہو یا اس سے کم میں، یوں یہ اشکال وارد ہی نہ ہوتا۔ ابن الہمام فرماتے ہیں:

فالوجه في حل هذا المحل أن يقال: ما ذكره المصنف فيما إذا كان عليه ديون ولكن لم تحط بماله. وأما إذا أحاطت الديون بماله فيمنع من التبرع مطلقا، أي: بالثلث وبما دونه، نعم يمنع المريض من التبرع والمحاباة بالزيادة على الثلث وإن لم يكن عليه دين أصلا؛ لكن ذلك ليس لتعلق حق الغرماء بماله بل لتعلق حق الورثة به، فالمنع لأجل تعلق حق الغرماء بماله، كما هو مقتضى قول المصنف؛ ولهذا منع إنما يتصور في صورة تحقق الدين عليه، كما لا يخفى على ذي مسكة۔[2]

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الہدایہ، ۵ / ۵۶۹

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 5/569

[2] ابن الہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر (دار الفکر، بیروت، س، ن) ،۸/ ۳۸۲

"اس مقام کے حل میں بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے: جو کچھ مصنف نے کہا ہے وہ اس صورت میں ہے جب میت پر دَین تو ہوں لیکن وہ اس کے مکمل مال کو گھیرے ہوئے نہ ہوں۔ اگر وہ اس کے مکمل مال کو محیط ہوں تو اس صورت میں مرض الموت میں مبتلا شخص کو مطلقاً تبرع سے روکا جائے گا یعنی ثلث سے بھی اور اس سے کم بھی۔ ہاں مرض الموت کے مریض کو ثلث سے زائد تبرع اور محاباۃ سے منع کیا جائے گا اگرچہ اس پر دَین نہ بھی ہو؛ لیکن ایسا اس لیے نہیں کہ اس کے مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہو چکا ہے، بلکہ اس لیے کہ اس کے ورثاء کا حق اس مال کے ساتھ منسلک ہو چکا ہے۔ چنانچہ مریض کے مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے اس وصیت کا ممنوع ہونا جیسا کہ مصنف کا قول: "ولہذا منع " تقاضا کرتا ہے۔ یہ تو اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے، جب اس پر دَین محقق ہو، جیسا کہ یہ ایک پختہ کار فقیہ پر مخفی نہیں ہے۔"

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو اشکال صاحب التنبیہ نے قائم کیا ہے، اس میں ان کی رائے صائب اور دلیل قوی ہے۔

۲۔ صاحب ہدایہ نے کتاب الوکالۃ میں ان افراد کا ذکر کیا، جن کو تصرف کی اہلیت نہ ہونے پر اپنی اولاد کے حوالے سے کسی تصرف کی ولایت حاصل نہ ہو گی۔ اس ضمن میں انہوں نے کافر کی مسلمان اولاد اور غلام کی آزاد اولاد کی امثلہ پیش کیں۔ اسی مقام پر انہوں نے یہ مسئلہ بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی مرتد حالتِ ارتداد میں ہی قتل کر دیا جائے تو اس کے اپنی مسلمان اولاد پر اور اس کے مال پر کیے گئے تصرفات جائز نہ ہوں گے، یہی حکم حربی کا بھی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت صاحب ہدایہ نے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ فرماتے ہیں:

وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله: المرتد إذا قتل على ردته والحربي كذلك۔[1]

"اور امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مرتد جب اپنے ارتداد کی حالت میں ہی قتل کر دیا جائے (اس کا بھی یہی حکم ہو گا) اور حربی آدمی کا بھی یہی حکم ہو گا۔"

Ibn Al-Hammam, Kamal Al-Din Muhammad Bin 'Abdul Wahid, Fath al-Qadir(Dar al-Fikr, Bairoot), 8/382

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایہ، ۳/ ۱۴۸

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/148

صاحب التنبیہ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ میں تو فقہاء کا اجماع ہے، پھر اس بارے میں خصوصیت کے ساتھ صاحبین کا ذکر کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔[1] یہ اشکال دراصل عبارت کی مدلول پر واضح دلالت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ صاحبِ فتح القدیر بھی اس کا شکوہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، فرماتے ہیں:

أقول: لا يخفى على من له فطرة سليمة ووقوف على العربية ومسائل المرتد أن في كلام المصنف هاهنا تعقيدا قبيحا واحتياجا إلى بيان معناه۔[2]

"میں کہتا ہوں کہ جو شخص فطرت سلیمہ کا مالک ہے اور اسے عربی اور مرتد کے مسائل پر آگاہی ہے، اس پر یہ مخفی نہ ہوگا کہ مصنف کے کلام میں یہاں قبیح تعقید ہے اور اس کے معنی کو بیان کرنے کی حاجت موجود ہے۔"

صاحبِ فتح القدیر نے جس طرح اس تعقید کو دور کیا ہے اور مسئلہ کی شرح کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اصول پر سب کا اتفاق ہے کہ مرتد یا کافر اصلی کو مسلمان پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہ ہوگی اور مذکورہ مسئلہ بھی اسی مجمع علیہ اصول پر مبنی ہے۔ صاحبین کا مرتد کے بیع و شراء جیسے تصرفات میں یہ موقف ہے کہ وہ اگرچہ حالتِ ارتداد میں فوت ہوا ہو، لیکن اس کے بیع و شراء جیسے تصرفات اس کے اپنے حق میں نافذ ہوں گے۔ اس اصول کے پیش نظر یہ ہلکا سا شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید اس کے وہ تصرفات بھی صاحبین کے نزدیک نافذ ہوں گے، جو اس نے اپنے مسلمان بیٹے کے مال میں بیع و شراء وغیرہ میں سے کیے ہوں گے۔ اسی شبہ کو دور کرنے کے لیے مصنف نے زیر بحث مسئلہ میں صاحبین کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا تاکہ ان کے موقف پر جو ہلکا سا وہم ہوتا ہے، وہ دور ہو جائے۔ یہاں صاحبین نے مرتد کے بیع و شراء جیسے تصرفات میں اپنے موقف کو اس لیے چھوڑ دیا کہ یہ ایک مجمع علیہ موقف ہے۔[3] صاحب التنبیہ نے حربی کے یہاں ذکر کرنے پر بھی اعتراض کیا ہے اور علامہ ابن الھمام نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حربی کا یہاں پر ذکر بے محل ہے، لکھتے ہیں:

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۴/ ۵۴۲

Ibn e Abi al-‘iz, ‘Ali Bin ‘Ali, Al- Tanbih ‘Ala Mushkilat Al-Hidayah,4/542

[2] ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ۸/ ۱۰۵

Ibn Al-Hammam, Kamal Al-Din Muhammad Bin ‘Abdul Wahid, Fath al-Qadir, 8/105

[3] ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ۸/ ۱۰۵

Ibn Al-Hammam, Kamal Al-Din Muhammad Bin ‘Abdul Wahid, Fath al-Qadir, 8/105

أقول: قد أدرج في قولهما الحربي أيضا، والعذر الذي ذكروه لا يجري فيه قطعا فلا يتم-[1]

"میں کہتا ہوں کہ حربی کا ذکر بھی ان کے قول میں ادراج ہے اور جو عذر (مرتد کی توجیہ میں) شارحین نے ذکر کیا ہے، وہ اس میں قطعاً جاری نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ عذر کامل نہیں ہو سکا۔"

ان تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صاحب التنبیہ اس اشکال کے قائم کرنے میں کسی حد تک حق بجانب ہیں اور عبارت کے جس سقم کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے، وہ بھی تعقید کا موجب ہے۔ علاوہ ازیں بھی دیگر متعدد مقامات پر ابن ابی العز نے صاحب ہدایہ کی عبارت کے سقم کی نشان دہی کی ہے اور شارحین کی تصریحات سے بھی ان کے قائم کردہ اشکال کی تائید ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ روایات پر ابن ابی العز کے اشکالات کا تجزیہ

صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ روایات پر تبصرہ اور اشکال قائم کرتے ہوئے ابن ابی العز کے منہج میں یہ بات واضح طور پہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے بعض روایات پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے امام بیہقی کی رائے پر اعتماد کیا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ صرف ان ہی کی رائے پر اکتفاء کرتے ہوئے اشکال قائم کر دیا ہے، حالانکہ دیگر مصادرِ حدیث کی طرف مراجعت سے صاحب التنبیہ کی رائے کا ضعف واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض روایات پر نقد میں صاحب التنبیہ کی رائے صائب نظر آتی ہے اور بعض مقامات پر ان کی رائے سے فنِ حدیث کے جلیل القدر علماء اتفاق نہیں کرتے۔ اس پہلو کی تفصیل درج ذیل امثلہ کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔

ا۔ صاحب ہدایہ نے جھوٹی گواہی دینے والے کی سزا کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا موقف ذکر کیا کہ ان کے نزدیک ایسے شخص کی صرف تشہیر کی جائے گی، مزید کوئی تعزیر اس پر نہ لگائی جائے گی۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شریح ایسا ہی کیا کرتے تھے، مزید تعزیر لگانا ان کا معمول نہ تھا۔ صاحبین کا موقف یہ ہے کہ اسے سخت مارا جائے گا اور اسے قید بھی کیا جائے گا۔ صاحبین کی دلیل ذکر کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

لهما ما روي عن عمر رضي الله عنه "أنه ضرب شاهد الزور أربعين سوطاً وسخم وجهه-[2]

---

[1] ابن الہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ۸/ ۱۰۵

Ibn Al-Hammam, Kamal Al-Din Muhammad Bin 'Abdul Wahid, Fath al-Qadir, 8/105

[2] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الهدایة، ۳/ ۱۳۱

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/131

"صاحبین کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے مارے اور اس کا چہرہ سیاہ کیا۔"

صاحب التنبیہ اس پر اشکال قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أخرجه البيهقي وضعفه۔[1]

"اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔"

صاحب التنبیہ نے امام بیہقی کی رائے پر ہی اکتفاء کرتے ہوئے زیر بحث روایت کی تضعیف بیان کر دی، لیکن اس طرف ان کی نظر نہ گئی کہ یہی روایت مصنف عبدالرزاق میں تین مختلف اسناد سے مروی ہے اور یہ تعددِ طرق اس روایت کو کم از کم اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ اس سے استدلال کیا جا سکے۔ پہلی سند اور اس سے مروی روایت یہ ہے:

عبد الرزاق قال: قلت لمحمد بن راشد، سمعت مكحولا يحدث، عن الوليد بن أبي مالك، أن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله بالشام في شاهد الزور: أن يجلد أربعين جلدة، وأن يسخم وجهه وأن يحلق رأسه وأن يطال حبسه " فقال: لا، ولكن الحجاج بن أرطاة ذكر عنه۔

دوسری سند یہ ہے:

قال عبد الرزاق وأخبرنا يحيى بن العلاء، أنه سمع الحجاج يحدث، عن مكحول، عن الوليد، عن عمر مثله۔

تیسری سند اور اس سے مروی روایت اس طرح ہے:

عبد الرزاق قال: أخبرنا يحيى بن العلاء قال: أخبرني الأحوص بن حكيم، عن أبيه، " أن عمر بن الخطاب أمر بشاهد الزور أن يسخم وجهه، ويلقى في عنقه عمامته، ويطاف به في القبائل، ويقال: إن هذا شاهد الزور، فلا تقبلوا له شهادة۔[2]

۲۔ ہبہ سے رجوع میں احناف کا یہ موقف ہے کہ اگر ہبہ کسی اجنبی (غیر محرم) شخص کو کیا ہو تو اس سے رجوع جائز ہوگا۔ اس کے مقابلے میں امام شافعی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ صرف اس ہبہ سے رجوع جائز ہے، جو والدنے

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الہدایہ، ۴/ ۵۳۲

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 4/532

[2] عبدالرزاق، ابوبکر بن ہمام، المصنف (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)، ۸/ ۳۲۶

'Abdul Razzaq, Abu Bakar Bin Hammam, Al-Musannaf (Al-Maktab Al-Islami, Bairoot, Edition: 2,1402 AH), 8/326

اپنی اولاد میں سے کسی کو کیا ہو۔ اس کے علاوہ کسی ہبہ سے رجوع جائز نہیں ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے احناف کی دلیل کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے: الواهب أحق بهبته ما لم يثب منها۔[1]

"واہب اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک اسے اس کے بدلے میں کچھ دیا نہ گیا ہو۔"

اس روایت پر اشکال قائم کرتے ہوئے صاحب التنبیہ نے اسے سنن دار قطنی اور بیہقی کی تحقیق کی روشنی میں ضعیف قرار دیا ہے۔[2] جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت متعدد ایسے طرق سے مروی ہے جو اس کا ضعف ختم کر دیتے ہیں اور یوں یہ روایت قابلِ حجت بن جاتی ہے۔ یہ حدیث تین صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ صاحب التنبیہ نے دار قطنی اور بیہقی سے ان تینوں حضرات کی روایات میں ضعفِ سند کا ذکر کیا ہے؛ لیکن بدر الدین عینی نے اس اعتراض کو رد کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور خود دار قطنی نے ذکر کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے دو طرق ہیں، جن میں سے ایک طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور دوسرا طریق دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت حاکم نے مستدرک میں ذکر کی ہے اور اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور دار قطنی نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے[3]۔ علامہ عینی نے اس مقام پر بہت تفصیل کے ساتھ ان تین جید صحابہ کرام سے تعددِ طرق کی وضاحت کی ہے۔ غرض یہ کہ جس روایت کے طرق اس قدر متعدد ہوں، اسے بیک جنبشِ قلم ضعیف قرار دینا اور تعدد طرق کو نظر انداز کر دینا قرین صواب نہیں ہے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اجیر مشترک کے پاس مال امانت ہوگا اگر اس کی غلطی کے بغیر ضائع ہوا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک وہ ضامن ہوگا اور انہوں نے اپنی دلیل کے طور پر حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کا

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ، ۳/ ۲۲۵

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/225

[2] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۵/ ۵۹۲

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 5/592

[3] بدر الدین العینی، محمود بن احمد، البنایہ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)، ۱۰/ ۱۸۸

Bad al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah (Dar al-Kutub al-'ilmiyyah, Bairoot, Edition: 1,1420 AH), 10/188

طرز عمل پیش کیا ہے کہ وہ اجیر مشترک کو ضامن ٹھہرایا کرتے تھے۔ برہان الدین مرغینانی صاحبین کے مسلک کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لهما ما روي عن عمر رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه "أنهما كانا يضمنان الأجير المشترك-[1]

"ان دونوں کی دلیل وہ ہے جو حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں اجیر مشترک کو ضامن قرار دیا کرتے تھے۔"

صاحب التنبیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ بیہقی نے اس روایت کو ذکر کرکے اس کے ضعف کی نشان دہی کی ہے۔[2] امام بیہقی نے اگرچہ اس اثر کا ضعف ذکر کیا ہے لیکن اگر بیہقی کے اسی مقام کی طرف مراجعت کی جائے تو ابن ابی العز کے اس اشکال کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ امام بیہقی نے اس کے متعدد مرسل طرق ذکر کرکے کہا ہے کہ جب ان مراسیل کو ملایا جائے تو یہ روایت قوی ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

وإذا ضمت هذه المراسيل بعضها إلى بعض أخذت قوة-[3]

اس تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن روایات کو ضعیف قرار دینے میں صاحب التنبیہ نے امام بیہقی کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے صاحب ہدایہ پر اشکالات قائم کیے ہیں، ان میں سے بعض میں ان کی تحقیق درست نہیں ہے۔ اگر وہ دیگر مصادر حدیث کی طرف رجوع کر لیتے یا خود امام بیہقی کی دیگر تصنیفات کی طرف مراجعت کرتے تو ان روایات کے ضعف کی حقیقت ان پر واضح ہو سکتی تھی۔

ا۔ علامہ مرغینانی علیہ الرحمۃ نے ہبہ کے احکام کا آغاز کرتے ہوئے یہ ذکر فرمایا کہ ہبہ ایجاب و قبول کے ساتھ منعقد ہو جائے گا اور ثبوتِ ملک کے لیے قبضہ ضروری ہے۔ اس کے مقابلہ میں امام مالک کا قول ذکر کیا کہ ان کے نزدیک قبل از قبض بھی ہبہ مکمل ہو جائے گا۔ ان کے جواب میں اپنی دلیل کے طور پر یہ روایت ذکر فرمائی:

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الهدایہ، ۳/ ۲۴۲

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/242

[2] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الهدایہ، ۵/ ۶۲۹

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 5/629

[3] البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، معرفة السنن والآثار (جامعة الدراسات الاسلامیة، کراچی، پاکستان، ۱۴۱۲ھ)، ۸/ ۳۳۸

Al-Baihiqi, Abu Bakar Ahmad Bin Al-Hussain, Ma'rifah Al-Sunnan Wa Asaar (Jami'a Al-Darasat Al-Islamiyah, karachi, Pakistan, Edition:1, 1412 AH), 8/338

لا تجوز الهبة إلا مقبوضة۔[1]

صاحب التنبیہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا حديث منكر، لا أصل له والله أعلم۔[2]

علامہ عینی اس بارے میں صاحب التنبیہ کے مؤید ہیں۔انہوں نے بھی اس روایت کو منکر اور بے اصل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ دراصل ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔علاوہ ازیں انہوں نے مذکورہ مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی اس روایت سے استدلال کو بہتر قرار دیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں غابہ کے مال میں سے بیس وسق مال ہبہ کیا تھا لیکن قبضہ دینے سے پہلے ہی ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو اس بارے میں خبر دی اور فرمایا کہ اگر میں تمہیں قبضہ میں دے دیتا تو وہ تمہارا ہو جاتا لیکن اب تو وہ تمہارے بہن بھائی تمہارے ساتھ مل کر بانٹ لیں گے۔اسی روایت سے امام سرخسی اور اصحاب شوافع نے استدلال کیا ہے[3]۔علاوہ ازیں کتب احادیث میں اس روایت کی کوئی اصل دستیاب نہیں ہو سکی۔اس سے معلوم ہوا کہ صاحب التنبیہ کا یہ اشکال واقعی درست ہے۔

۲۔حمام کی اجرت لینے کے جواز پر صاحبِ ہدایہ نے عرف سے استدلال کیا اور اس کے حق میں روایت :"مارآه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن" ذکر کرتے ہوئے اسے قولِ رسول ﷺ قرار دیا[4]۔

صاحب التنبیہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا حصہ ہے اور ان سے موقوفاً مروی ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک سند سے اگرچہ مرفوعاً مروی تو ہے لیکن وہ سند ساقط ہے[5]۔

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر،،الھدایۃ، ۳/ ۲۲۲

Al-Murghinani, ʿAli Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, Vol:3, Pg# 222

[2] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۵/ ۵۸۷

Ibn e Abi al-ʻiz, ʻAli Bin ʻAli, Al- Tanbih ʻAla Mushkilat Al-Hidayah, 5/587

[3] بدرالدین العینی، محمود بن احمد، البنایہ، ۱۰/ ۱۶۲

Badr al-Din ʻAini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 10/162

[4] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایہ، ۳/ ۲۳۸

Al-Murghinani, ʻAli Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/238

[5] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۵/ ۶۱۰

مذکورہ روایت پر صاحب التنبیہ کا کلام درست ہے۔ یہ روایت کتب حدیث میں موقوفاً ہی مذکور ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے بھی اس روایت کے مختلف طرق ذکر کرکے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ہی مروی ہے[1]۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے المؤطا میں اسے "روی عن النبی ﷺ أنه قال" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے[2] جس سے اس کے مرفوع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ علامہ ملا علی قاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن مرفوع سند ذکر نہیں کی[3]۔

۳۔ صاحبِ ہدایہ نے ودیعت کے احکام بیان کرتے ہوئے آغاز میں یہ مسئلہ ذکر کیا کہ ودیعت کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے، اس لیے اگر یہ اس شخص کے پاس ہلاک ہو جائے جس کے پاس ودیعت رکھوائی گئی ہو تو اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگی۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ذکر کیا:

ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان۔[4]

"خیانت نہ کرنے والے مستعیر پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگی اور خیانت کا ارتکاب نہ کرنے والے مستودع پر بھی کوئی ضمان لازم نہ ہوگی۔"

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 5/610

[1] بدرالدین العینی، محمود بن احمد، البنایہ، ۱۰/ ۲۷۶

Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, Vol: 10, Pg# 276

[2] الشیبانی، محمد بن الحسن، المؤطا (المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، س، ن)، ص: ۹۱

Al-Shaibani, Muhammad Bin Al-Hassan, Al-Mauta, Al-Maktabah al-'imiyah, Bairoot, p:91

[3] ملا علی القاری، ابوالحسن، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (دار الفکر، بیروت، س، ن)، ۵/ ۱۸۶۸

Mulla 'Ali al-Qari, Abu al-Hassan, Miqat al-Mafatih Sharah Mishkat al-Masabih (Dar-al Fikar, Bairoot),5/1868

[4] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الهدایہ، ۳/ ۲۱۳

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/213

صاحب التنبیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف سند سے مروی ہے اور صحیح سند کے مطابق یہ شریح کے قول کے طور پر مروی ہے جیسا کہ دار قطنی[1] اور بیہقی[2] نے ذکر کیا ہے[3]۔اس روایت کو دار قطنی نے اس کے دو راویوں عمرو بن عبدالجبار اور عبیدہ بن حسان کی بناپر ضعیف قرار دیا ہے۔علامہ جمال الدین المنبجی علیہ الرحمۃ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ یہ جرح ایسی ہے جس کا سبب ہی بیان نہیں کیا گیا، اس لیے یہ مقبول نہ ہوگی[4]۔علامہ اکمل الدین بابرتی نے اس اعتراض (کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے) کا یہ جواب ذکر کیا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے[5]۔اس بارے میں علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے مفصل بحث کی ہے، فرماتے ہیں کہ دار قطنی کا فقط اتنا کہہ دینا کہ یہ راوی ضعیف ہیں، یہ جرح مبہم ہے جو قبول نہیں کی جاسکتی۔عمرو بن عبدالجبار عبیدہ بن حسان کے بھتیجے ہیں اور جہاں تک ہمیں علم ہے ان کی کسی نے تضعیف نہیں کی۔عبیدہ بن حسان کا ذکر امام بخاری نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور ان پر کوئی جرح نہیں کی اور ان کی روایت کی تائید ابن ماجہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں مثنی بن صباح کے طریق سے ذکر کی ہے۔ابن حبان نے یہ روایت عبداللہ بن لھیعہ کے طریق سے ذکر کی ہے اور اسے ابن لھیعہ کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے حالانکہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے[6]۔بعد ازاں علامہ عینی نے شراح ہدایہ پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اس حدیث پر اعتراضات ہونے کے باوجود وہ اس

---

[1] دار قطنی، ابوالحسن علی بن عمر، السنن (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)، ۳/ ۴۵۶

Dar Qutni, Abul Hassan 'Ali bin Umar, Al-Sunnan (Muasisah al-Risalah, Bairoot, Edition:1, 1424 AH), 3/456

[2] البیہقی، احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)، ۶/ ۱۴۹

Al-Baihiqi, Ahmad Bin Al-Hussain, Al-Sunnan al-Kubra (Dar al-Kutub al-'ilmiyyah, Bairoot, Edition: 3,1424 AH), 6/149

[3] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۵/ ۵۸۳

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 5/583

[4] علی بن ابی یحییٰ، جمال الدین، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب (دار القلم، سوریا، دمشق)، ۲/ ۵۳۸

'Ali Bin abi Yahya, Jamal al-Din, Al-Lubab fil Jama' Bain al-Sunnah wa Kita, (Dar al-Qalam, Soriya, Dimishq),2/538

[5] بدرالدین عینی، محمد بن محمد بن محمود، العنایۃ، ۸/ ۴۸۵

Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 8/485

[6] بدرالدین عینی، محمود بن احمد، البنایۃ، ۱۰/ ۱۰۷

مقام پر سکوت اختیار کرکے گزر گئے بالخصوص علامہ اترازی جنہیں فنِ حدیث میں مہارت کا دعویٰ ہے اور علامہ زیلعی پر بھی تعجب ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث پر اعتراضات کو ذکر کرکے جواب ذکر کرنے کی بجائے چپ سادھ لی[1]۔اس تفصیلی تجزیہ سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں ضعف کی نوعیت وہ نہیں ہے جو معترضین بشمول صاحب التنبیہ نے ذکر کی ہے۔

قیاس سے متعلقہ اشکالات کا تجزیہ

بعض مقامات پر صاحب التنبیہ نے ایسے مسائل اور ان کی علتوں پر اشکالات وارد کیے ہیں جن کا تعلق قیاس سے ہے۔اس عنوان کے تحت بحث کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: (۱) نفس مسئلہ پر اشکال (۲) مسئلہ کی علت پر اشکال۔ ذیل میں ہر دو کی وضاحت کی جاتی ہے۔

نفس مسئلہ پر اشکالات اور ان کا تجزیہ

صاحب التنبیہ نے جن مقامات پر نفسِ مسئلہ میں اشکال قائم کیے ہیں، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں جلیل القدر ائمہ احناف کی تائید بھی انہیں حاصل ہے۔بعض مسائل میں کبار ائمہ احناف نے ان کی تائید نہیں کی۔اس کی مزید وضاحت درج ذیل امثلہ سے ہوتی ہے:

۱۔صاحب ہدایہ نے کتاب الوکالۃ کے تحت ایک فصل وکیل بالبیع اور وکیل بالشراء کے احکام سے متعلق ذکر کی ہے۔ان ہی میں ایک مسئلہ انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وکیل بالبیع والشراء کا اپنے ان رشتہ داروں سے عقد کرنا جائز نہیں ہے، جن کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی[2]۔ یہ حکم انہوں نے بلا کسی قید و تفصیل کے علی الاطلاق ذکر کیا ہے۔ صاحب التنبیہ اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مصنف کا اس مسئلہ کو اطلاق کے ساتھ ہی بیان کر دینا محلِ نظر ہے ؛ کیونکہ اس مسئلہ کی ایک سے زائد صورتیں ہیں:

1) وکیل بالبیع نے قیمت مثل سے زائد پر سودا کیا تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 10/107

[1] بدرالدین عینی، محمود بن احمد،البنایۃ، ۱۰/ ۱۰۷

Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 10/107

[2] المرغینانی، علی بن ابی بکر، ج الھدایہ، ۳/ ۱۴۵

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/145

2) قیمت مثل سے کم پر غبن فاحش کے ساتھ فروخت کیا تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

3) غبنِ یسیر پر فروخت امام اعظم کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

4) قیمتِ مثل پر صاحبین کے نزدیک جائز جبکہ امام صاحب سے دو روایات مروی ہیں؛ وکالۃ اور بیوع کی روایت کے مطابق عدم جواز جبکہ مضاربت کی روایت میں جواز روایت کیا گیا ہے[1]۔

صاحبِ التنبیہ نے اس مسئلہ میں اطلاق پر جو اشکال قائم کیا ہے، وہ درست ہے۔ فقہ حنفی کی اکثر کتب میں یہ مسئلہ اس طرح اطلاق کے ساتھ مذکور نہیں ہے جس طرح صاحبِ ہدایہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ علامہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں:

ولا بد من تقرير الأقوال قبل الدلائل فنقول: عقد الوكيل بالبيع والشراء مع من لا تقبل شهادته له إن كان بأكثر من القيمة في البيع وبأقل منها في الشراء فهو جائز بلا خلاف وعكسه غير جائز كذلك، وبغبن يسير كذلك على ما ذكر في الكتاب وشرح الطحاوي،وعلى ما ذكر في الذخيرة جائز عندهما، وبمثل القيمة عندهما جائز باتفاق الروايات، غير جائز عند أبي حنيفة في رواية الوكالة والبيوع وهو المذكور في الكتاب، وفي رواية المضاربة جائز-[2]

"دلائل سے پہلے اقوال کی تقریر ضروری ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں: وکیل بالبیع والشراء کا ان لوگوں کے ساتھ عقد کرنا جن کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں کی جاتی، اگر بیع کی صورت میں عام قیمت سے زیادہ ہو اور شراء کی صورت میں عام قیمت سے کم ہو تو یہ بلااختلاف جائز ہے۔ اسی طرح اس کا برعکس کرنا بھی بلااختلاف جائز نہیں ہے، کتاب (قدوری) اور شرح الطحاوی میں جو ذکر کیا ہے اس کے مطابق غبنِ یسیر کے ساتھ بھی یہی حکم ہے، جبکہ الذخیرۃ میں جس طرح ذکر کیا ہے اس کے مطابق صاحبین کے نزدیک غبن یسیر کی صورت میں جائز ہے۔ قیمتِ مثل کے ساتھ صاحبین کے نزدیک تو جائز ہے اور اس میں تمام روایات متفق ہیں؛ جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وکالۃ اور بیوع کی روایت میں جائز نہیں ہے اور یہی قدوری میں بھی مذکور ہے اور مضاربۃ کی روایت میں جائز ہے۔"

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الہدایہ، ۴/ ۵۳۷

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 4/537

[2] بدرالدین عینی، محمد بن محمد بن محمود، العنایۃ، ۸/ ۷۵

Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 8/75

بعینہ یہی تفصیل علامہ بدرالدین عینی نے بھی ذکر کی ہے[1]۔علامہ حصکفی نے بھی مذکورہ تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ ذکر کیا ہے[2]۔

۲۔بچے کو دودھ پلانے کے لیے دایہ کو اجرت پر مقرر کیا جائے تو اس اجارہ میں اصل معقود علیہ کیا چیز ہے؟ اس بارے میں صاحبِ ہدایہ نے دو اقوال ذکر کیے ہیں:

الف۔بچے کی خدمت اور دیکھ بھال اصل ہے اور دودھ پلانا اس کے تابع ہے؛ کیونکہ اجارہ منافع پر واقع ہوتا ہے اور یہاں کام کاج کرنا منافع کی حیثیت رکھتا ہے اور دودھ عین ہے، اس لیے اصل مقصود خدمت ہے اور دودھ اس کے تابع ہے۔

ب۔دودھ اصل مقصود ہے اور کام کاج، دیکھ بھال کرنا اس کے تابع ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ عورت بچے کو بکری کا دودھ پلائے تو اجرت کی مستحق نہ ہوگی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود اس عورت کا دودھ ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے پہلے قول کو اقرب الی الفقہ قرار دیا ہے؛ کیونکہ اجارہ کا مقصود اعیان کا اتلاف نہیں بلکہ منافع کا حصول ہوتا ہے۔مصنف نے اسے گائے کے اجارہ پر قیاس کیا ہے کہ جب اسے دودھ پینے کے لیے کرائے پر لیا جائے تو جس طرح یہاں اجارہ کا مقصود عین نہیں بلکہ اس کی منفعت ہے، یونہی دایہ کے اجارہ میں بھی اصل مقصود دایہ کا خدمت کرنا ہوگا، جس کے تابع دودھ بھی شامل ہوگا[3]۔صاحب التنبیہ نے دوسرے قول کو اقرب الی الفقہ قرار دیا ہے اور گائے کے مسئلہ کو اصل بنا کر دایہ کے مسئلہ کو اس پر بطور فرع قیاس کرنے کی مخالفت کی ہے۔ان کے مطابق دایہ کے اجارہ کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہے اور یہ قیاسِ صحیح کے موافق بھی ہے۔اس لیے اس کو اصل بنا کر گائے کے اجارہ کو اس پر قیاس کرنا چاہیے۔انہوں نے مختلف مثالیں ذکر کرکے یہ واضح کیا ہے کہ دایہ کے اجارہ کا اصل مقصود دودھ ہی ہوتا ہے اور بچے کی خدمت اس کے تابع ہوتی ہے۔مثال کے طور پر مزارعت میں اصل مقصود زمین نہیں بلکہ اس کی پیداوار ہوا کرتی ہے، مساقاۃ میں اصل مقصود باغ اور اس کا درخت نہیں بلکہ اس کا پھل ہوتا ہے اور حمام میں داخل ہوں تو اس میں بھی

---

[1] بدرالدین العینی، محمود بن احمد، البنایہ، ۹/ ۲۶۶

Badr al-Din ‘Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 9/266

[2] علاؤالدین حصکفی، محمد بن علی بن محمد، الدرالمختار (دار الفکر، بیروت، س،ن)، ۵/ ۵۲۱

‘Ala al-Din Haskafi, Muhammad bin ‘Ali Bin Muhammad, Al-Durr al-Mukhtar (Dar al-Fikr, Bairoot, Edition:2), 5/521

[3] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایہ، ۳/ ۳۳۹

Al-Murghinani, ‘Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/339

اصل مقصود پانی کا استعمال ہی ہوتا ہے، دیگر معاملات اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی طرح" مانحن فیہ" میں بھی اصل مقصود دودھ ہے، خدمت اور دیکھ بھال اس کے تابع ہیں[1]۔ صاحب التنبیہ کو مذکورہ اشکال میں جلیل القدر فقہائے احناف کی تائید حاصل ہے۔امام سرخسی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے کہ بعض متأخرین نے اس اجارہ میں دودھ کو تابع اور خدمت کو یہ کہہ کر اصل مقصود قرار دیا ہے کہ اجارہ منافع پر واقع ہوتا ہے اور یہاں دودھ عین ہے اور دیکھ بھال کرنا منفعت ہے، اس لیے دودھ تابع ہوگا اور خدمت، اصل مقصود ہوگی لیکن اصح یہ ہے کہ معقود علیہ دودھ ہے اور خدمت اس کے تابع ہے[2]۔علامہ سغناقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام سرخسی جیسے عظیم القدر امام کی اس تصریح کے بعد ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس مسئلہ میں ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مختلف رائے اپناتے ہیں[3]۔علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی امام سرخسی علیہ الرحمۃ کی رائے کو اقرب الی الفقہ قرار دیا ہے[4]۔علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے دایہ کے اجارہ کو استحسان کی بناء پر جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ عین یعنی دودھ کے استہلاک پر واقع ہوتا ہے[5]۔ان تمام فقہاء کے موقف سے صاحب التنبیہ کے ذکر کردہ اشکال کو تقویت اور تائید حاصل ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کی رائے اس مسئلہ میں صائب نہیں ہے۔

۳۔صاحبِ ہدایہ نے کتاب الدعویٰ میں یہ مسئلہ ذکر کیا کہ اگر قاضی کے پاس کیس دائر ہو جانے کے بعد مدعی یہ کہے کہ میرے پاس گواہ تو ہیں لیکن وہ شہر میں موجود ہیں اور مجھے ان کے لانے کی مہلت دی جائے تو مدعی علیہ سے کہا جائے گا کہ تم اپنا کفیل دو، جو مدعی کے گواہ لانے تک یہ ضمانت دے کہ تم غائب نہیں ہو جاؤگے۔ظاہر الروایہ کے مطابق اس میں

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الهدایہ، ۵/ ۶۱۷
Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 5/617

[2] السرخسی ، محمد بن احمد، المبسوط (دار المعرفۃ، بیروت، س،ن)، ۱۵/ ۱۱۹
Al-Sarkhasi, Muhammad bin Ahmad, Al-Mabsoot (Dar-al-Ma'rifah, Bairoot),15/119

[3] بدرالدین العینی، محمود بن احمد، البنایہ، ۱۰/ ۲۸۸
Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah10/288

[4] بدرالدین العینی، محمود بن احمد، البنایہ ۱۰، /۲۸۹
Badr al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 10/289

[5] ابن عابدین شامی، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار (دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)، ۶/ ۵۳
Ibn e 'Abidain Shami, Muhammad Amin bin Umar bin 'Abd al-Aziz, Radd al-Muhtar (Dar-al Fikr, Bairoot, Edition:2,1412 AH), 6/53

کوئی فرق نہیں ہے کہ دعویٰ چاہے تھوڑے مال کا ہو یا کسی خطیر رقم کا ہو اور مدعیٰ علیہ معاشرے میں ایک بااعتبار شخص ہو یا ساقط القدر ہو، ہر صورت میں تین دن کے لیے ضامن دینا ضروری ہوگا[1]۔

اس پر صاحب التنبیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مدعیٰ علیہ کے معاشرے میں عزیز القدر ہونے اور ساقط القدر ہونے میں فرق ہوا کرتا ہے اور یوں ہی مال کی قلّت و کثرت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ نیز مدعیٰ علیہ پر کفیل لازم کر دینا بھی اس کے لیے باعثِ ضرر اور ظلم ہے۔ اس کی ایک مثال خود امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے قول سے ملتی ہے کہ جب ورثاء یا فوت شدہ شخص کے قرض خواہوں کے درمیان میراث گواہوں کے بیان کے مطابق تقسیم ہو رہی ہو تو ان سے اس بات کا کوئی کفیل لینا ظلم ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی وارث یا قرض خواہ نہیں ہے۔ ہاں! اگر واقعی کسی قرینہ سے یہ ظاہر ہو کہ مدعیٰ علیہ واقعی غائب ہو جائے گا تو اب اس سے کفیل لیا جائے گا[2]۔ صاحب التنبیہ کے اس موقف کے حق میں (کہ کثیر اور حقیر رقم میں فرق ہوگا، یوں ہی عزیز القدر اور ساقط القدر میں فرق ہوگا) صرف امام محمد کا ایک قول ملتا ہے، جسے تضعیف کے صیغہ سے ذکر کیا گیا ہے لیکن اسے فقہائے احناف نے ظاہر الروایہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ہے۔ علامہ بابرتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

وروي عن محمد أنه قال: إذا كان معروفا والظاهر أنه لا يخفى شخصه بذلك القدر لا يجبر على ذلك، وإن سمحت نفسه بذلك يؤخذ، وكذا إذا كان المدعى به حقيرا لا يخفي المرء نفسه بذلك لا يجبر عليه-[3]

"اور امام محمد علیہ الرحمۃ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب مدعیٰ علیہ معروف آدمی ہو اور ظاہر یہ ہو کہ مال کی اتنی سی مقدار سے وہ شخص چھپنے والا نہیں ہے تو اسے کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ خود سے ہی کفیل دے دے تو پھر لے لیا جائے گا، یوں ہی جب مدعیٰ بہ شے اتنی حقیر ہو کہ اس کی وجہ سے آدمی چھپنے کی کوشش نہ کرے گا تو اب اسے کفیل دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔"

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایۃ، ۳/ ۱۴۹

Al-Murghinani, ʻAli Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/149

[2] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۴/ ۵۵۲

Ibn e Abi al-ʻiz, ʻAli Bin ʻAli, Al- Tanbih ʻAla Mushkilat Al-Hidayah, 4/552

[3] بدر الدین عینی، محمد بن محمد بن محمود، العنایۃ، ۸/ ۱۹۳

Badr al-Din ʻAini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah, 8/193

صاحب التنبیہ کا یہ کہنا کہ اس طرح کفیل مانگنا مدعیٰ علیہ کے لیے باعثِ ضرر ہے، یہ بھی قرینِ صواب نظر نہیں آتا؛ کیونکہ فقہاء نے اس بات میں فرق کو ملحوظ رکھا ہے کہ اگر مدعیٰ علیہ مسافر آدمی ہو، وہاں کا رہنے والا نہ ہو تو اب اس سے کفیل نہ لیا جائے گا، کیونکہ یہ اس کے لیے باعثِ ضرر ہوگا۔ کفیل لینے کا حکم اس وقت ہے جب وہ شخص اسی شہر کا رہائشی ہو۔ صاحب التنبیہ کا اس مسئلہ میں کفیل لینے کو ورثاء اور قرض خواہوں کے درمیان گواہی کے ذریعے میراث کی تقسیم پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا کہ کفیل لینا ظلم ہے، یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میراث کے مسئلہ میں کفیل لینے کو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے دو وجوہات کی بناء پر ظلم قرار دیا ہے اور وہ دونوں وجوہات مسئلہ "ما نحن فیہ" میں نہیں پائی جاتیں۔ ان دونوں وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ مرغینانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

ولأبي حنيفة رحمه الله أن حق الحاضر ثابت قطعا، أو ظاهرا فلا يؤخر لحق موهوم إلى زمان التكفيل-ولأن المكفول له مجهول-[1]

"اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی دلیل یہ ہے کہ موجود افراد کا حق قطعاً یا ظاہراً ثابت ہو چکا ہے، اس لیے کفیل دینے کے وقت تک کے لیے اسے ایک موہوم فرد کے حق کے لیے مؤخر نہ کیا جائے گا اور اس لیے بھی کہ مکفول لہ مجہول ہے۔"

تمام شروح ہدایہ میں بھی انہی دو وجوہات کو شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفیل لینا علی الاطلاق ظلم نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ظلم ہے، جب ایک موہوم فرد کے لیے موجود افراد کا ثابت شدہ حق انہیں نہ دیا جائے اور اس پر کفیل مانگا جائے کہ موجود افراد کے علاوہ کوئی وارث یا قرض خواہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صاحب التنبیہ نے ظلم کو یہاں جس طرح مدعیٰ علیہ کے لیے باعثِ ضرر کے معنیٰ میں لیا ہے، فقہاء نے اس کی تائید نہیں کی۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ زیر بحث اشکال میں صاحب التنبیہ نے مدعیٰ علیہ کے عزیز القدر ہونے اور ساقط القدر ہونے کا جو قول کیا ہے، یہ فقط امام محمد علیہ الرحمۃ سے ایک روایت ہے جسے فقہاء نے قبول نہیں کیا۔ صاحب التنبیہ نے کفیل لینے کو جس طرح بغیر کسی فرق اور قید کے باعثِ ضرر قرار دیا ہے، وہ بھی تصریحاتِ فقہاء کی روشنی میں درست نہیں ہے اور

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ، ۳/ ۱۱۲

Al-Murghinani, ‘Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/112

اس مسئلہ میں کفیل لینے کو جس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ظلم قرار دیا ہے، وہ بھی بعید از صواب ہے کیونکہ مقیس اور مقیس علیہ میں فرق پایا جاتا ہے۔

کتاب کے مشمولات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے نام سے متعلق مقالہ نگار کی رائے

التنبیہ علی مشکلات الھدایۃ کے نام سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اس میں ہدایہ کے وہ مقامات زیر بحث لائے جائیں گے، جن میں صاحب ہدایہ کو سہو لاحق ہوا ہوگا یا عبارت وحکمِ مسئلہ میں کوئی سقم رہ گیا ہوگا؛ لیکن اس کے تفصیلی تجزیہ سے کئی ایسے اشکال بھی سامنے آئے ہیں جن کا تعلق براہِ راست صاحب ہدایہ سے نہیں بلکہ مجموعی طور پر فقہ حنفی سے ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن میں ائمہ مجتہدین اور بانیانِ مذاہبِ فقہیہ کی سطح پر اختلافات ہیں اور ان میں صاحب التنبیہ نے فقہ حنفی کے موقف کو ضعیف قرار دیتے ہوئے دیگر ائمہ کی رائے کو قوی قرار دیا ہے اور ان میں انہی دلائل کا تکرار کیا ہے جن پر مفصل بحث ہر فقہی مذہب کی مطوّلات میں موجود ہے۔اس طرز عمل سے مشکلات ہدایہ پر ہی بحث وتنبیہ کا جو تاثر کتاب کے نام سے ابھرتا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ ذیل کی مثالوں سے واضح ہو رہا ہے۔

امثلہ

ا۔ صاحب ہدایہ نے قبولیت شھادۃ کی شرائط ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مجلس قضاء میں گواہی دیتے ہوئے لفظِ شھادۃ یعنی ”اِشھد“ کہنا ضروری ہے، ورنہ گواہی قابلِ قبول نہ ہوگی۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے[1]۔ اس پر اشکال قائم کرتے ہوئے ابن ابی العز نے اس کے مقابلے میں دیگر فقہاء کا موقف، ان کے دلائل اور صاحبِ ہدایہ کے ذکر کردہ دلائل کا رد ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مذهب مالك وأهل المدينة ، وظاهر كلام أحمد عدم اشتراط لفظة الشهادة، قالوا: ولا نعرف عن أحد من الصحابة ولا التابعين اشتراط ذلك۔[2]

"امام مالک واہل مدینہ کا مذہب اور امام احمد کے کلام کا ظاہر لفظ ”شھادۃ“ کا شرط نہ ہونا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ یا تابعین میں سے کسی کی طرف سے اس لفظ کے شرط ہونے کے بارے میں نہیں جانتے۔"

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایہ، ۳/۱۱۶

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/116

[2] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۴/۴۹۶

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 4/496

بعد ازاں صاحب التنبیہ نے لفظ شھادۃ کے شرط نہ ہونے کا موقف اختیار کرتے ہوئے اس کی ترجیح کے دلائل ذکر کیے ہیں۔ وہ افراد جو گواہی دینے کے اہل نہیں ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ نے غلاموں اور محدود فی القذف شخص کے مردود الشھادۃ ہونے کا ذکر کیا ہے[1]۔ یہ مسئلہ معرکۃ الآراء ہے اور کتب الخلاف میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی گئی ہے۔ اس مقام پر صاحب التنبیہ نے صاحب ہدایہ پر اعتراض کرتے ہوئے ان فقہاء کا ذکر کیا ہے جو غلاموں اور محدود فی القذف شخص کی گواہی قبول کرنے کے قائل ہیں۔ غلام کی گواہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ذهب إلى قبول شهادة العبد؛ علي وأنس رضي الله عنهما.قال أنس:"ماعلمت أحداً رد شهادة العبد" ، وبه قال عروة وشريح وإياس وابن سيرين وإسحاق وأبوثور وداودو ابن المنذر ، وهو رواية عن أحمد،وظاهر مذهبه استثناء الحدود والقصاص. وقال الشعبي والنخعي : تجوز شهادته في الشئ اليسير .وقال عطاء ومجاهد والحسن ومالك والأوزاعي والثوري وأبو حنيفة والشافعي: لا تقبل شهادته-[2]

"غلام کی گواہی کے قبول ہونے کی طرف حضرات علی وانس رضی اللہ عنھما گئے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں: میں کسی ایسے شخص کے بارے میں نہیں جانتا جس نے غلام کی گواہی ردی کی ہو۔ عروہ، شریح، إیاس، ابن سیرین، اسحاق، ابو ثور، داؤد، ابن المنذر نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ان کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ حدود اور قصاص اس سے مستثنیٰ ہیں۔ شعبی اور نخعی فرماتے ہیں: تھوڑی سی چیز کے متعلق اس کی گواہی جائز ہوگی۔ عطاء، مجاہد، حسن، مالک، اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ اور شافعی علیہم الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔"

اس کے بعد صاحب التنبیہ نے محدود فی القذف کی شھادۃ قبول نہ کرنے کے حنفی موقف پر اعتراض کرتے ہوئے ان ائمہ و فقہاء کا ذکر کیا ہے، جو ایسے شخص کی گواہی کے مقبول ہونے کے قائل ہیں اور امام شافعی و امام احمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔ فرماتے ہیں:

اختلف أهل العلم في اشتراط إقامة الحد على القاذف لرد شهادته؛ فعند الشافعي وأحمد رحمهما الله أنه تسقط شهادته بالقذف إذا لم يحققه، وعن أبي حنيفة رحمه الله ثلاث روايات:إحداهما: إذا ضرب سوطاً

---

[1] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایہ، ۳/۱۲۱

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/121

[2] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۴/۵۰۲

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 4/502

من الحد.الثانية: إذا ضرب أكثر الحد. الثالثة– وهي قول صاحبيه–: إذا أقيم عليه الحد بكماله. وقول الشافعي وأحمد رحمهما الله أظهر-[1]

" قاذف کے مردود الشہادۃ قرار پانے کے لیے اس پر حد لگنے کے شرط ہونے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالی کے نزدیک اس کی گواہی قذف کے ساتھ ہی ساقط قرار پائے گی جب وہ اس کو ثابت نہ کرسکے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی سے اس بارے میں تین روایات مروی ہیں:

i. جب اس پر حد کا ایک کوڑا لگا دیا جائے۔

ii. جب اس کو حد کے اکثر کوڑے مار لیے جائیں۔

iii. جب اس پر مکمل حد لگا دی جائے۔ یہی قول صاحبین علیہما الرحمۃ کا بھی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا قول اظہر ہے"۔

۲۔اہل ذمہ کی ملتیں باہم مختلف ہونے کے باوجود ان کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی عند الاحناف قابل قبول ہوگی۔صاحب ہدایہ نے اسی موقف کو ذکر کیا ہے[2]۔صاحب التنبیہ نے اس پر اشکال قائم کرتے ہوئے اس موقف کے قائلین وعدم قائلین دونوں کا ذکر کرکے اس کے عدم جواز کے قول کو ترجیح دی ہے اور احناف کے موقف پر اعتراضات ذکر کیے ہیں۔فرماتے ہیں:

قال ابن المنذر: اختلف أهل العلم في شهادة أهل الملل بعضهم على بعض، فممن رأى أن شهادة أهل الكتاب جائزة بعضهم على بعض شريح،وعمر بن عبد العزيز، والزهري وقتادة وحماد بن أبي سليمان، والثوري والنعمان.

وقالت طائفة: لا تجوز شهادة أهل الشرك على مسلم ولا مشرك، هذا قول مالك والشافعي وأبي ثور ، وبه قال الحسن البصري وأحمد والمزني.وفيه قول ثالث وهو: إن شهادة أهل كل ملة مقبولة على مثلها، ولا تقبل على الملة الأخرى، هذا قول قتادة، كأنه يرى أن شهادة اليهودي على اليهودي جائزة، ولا تقبل شهادة

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۴/ ۵۰۴

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 4/504

[2] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایہ، ۳/ ۱۲۳

Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah, 3/123

اليهودي على النصراني، وبه قال الزهري، وقال: لا تجوز شهادة أحدهما على الآخر للعداوة التي ذكر الله بينهما. انتهى .ثم رجح ابن المنذر أنه لا تجوز شهادة مشرك على مسلم، ولا مشرك، وهذا في غير شهادة أهل الذمة على وصية المسلم في السفر إذا لم يوجد غيرهم وسيأتي لذلك زيادة بيان عن قريب إن شاء الله تعالى.وحكى صاحب المغني عن الحكم وأبي عبيد وإسحاق مثل قول قتادة، وحكى عن الزهري والشعبي مثل قول هؤلاء والمنع مطلقاً۔[1]

"ابن المنذر نے کہا ہے: اہلِ ملل کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی کے مسئلہ میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ان میں سے وہ حضرات جن کی رائے یہ ہے کہ اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے وہ یہ ہیں: شریح، عمر بن عبدالعزیز، زہری، قتادہ، حماد بن ابی سلیمان، ثوری اور نعمان۔ایک طائفہ نے یہ کہا ہے کہ اہلِ شرک کی گواہی نہ تو کسی مسلمان کے خلاف قبول ہوگی اور نہ ہی کسی مشرک کے خلاف۔یہ امام مالک، شافعی اور ابو ثور کا قول ہے اور یہی قول حسن بصری، امام احمد اور مزنی کا بھی ہے۔اس مسئلہ میں ایک تیسرا قول بھی ہے اور وہ یہ کہ ہر اہلِ ملت کی گواہی اپنے جیسی ملت والوں کے خلاف ہی قبول ہوگی کسی دوسری ملت کے خلاف قبول نہ ہوگی۔یہ قتادہ کا قول ہے۔ گویا کہ ان کی رائے یہ ہے کہ یہودی کی یہودی کے خلاف گواہی جائز ہے، یہودی کی نصرانی کے خلاف گواہی جائز نہ ہوگی۔یہی قول زہری کا بھی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ملت کی گواہی دوسری کے خلاف جائز نہ ہوگی کیونکہ ان کے درمیان وہ عداوت پائی جاتی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ابن منذر کا کلام ختم ہوا۔ابن منذر نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ مشرک کی مسلمان کے خلاف گواہی قبول نہ ہوگی اور نہ ہی کسی مشرک کے خلاف قبول ہوگی۔اور یہ اس مسئلہ سے ہٹ کر ہے کہ اہلِ ذمہ سفر میں مسلمان کے وصیت کرنے پر اس وقت گواہی دیں جب ان کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو۔ اس کی مزید وضاحت عنقریب آئے گی۔ صاحب المغنی نے حکم، ابو عبید اور اسحاق سے بھی قتادہ کے قول کی مثل موقف بیان کیا ہے اور زہری اور شعبی سے ان حضرات کے قول کی مثل اور مطلقاً منع کا قول بھی بیان کیا ہے۔"

مذکورہ بالا امثلہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کے اشکالات کا تعلق صاحبِ ہدایہ کے تسامح وسہو اور مسئلہ بیان کرتے ہوئے اس کے حکم یا علت میں سقم سے نہیں بلکہ فقہاء کے درمیان پائے جانے والے اصولی اختلاف سے ہے۔اس طرح کے اشکال التنبیہ علی مشکلات الھدایہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔کتاب کے عنوان کو مد نظر رکھتے ہوئے بہتر یہ تھا کہ

---

[1] ابن ابی العز، علی بن علی، التنبیہ علی مشکلات الھدایہ، ۴/ ۵۱۴

Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah, 4/514

اس میں ہدایہ کے فقط انہی مقامات کی نشان دہی کی جاتی جن کا تعلق عبارت، بیان کردہ مسئلہ کے حکم یا اس کی علت سے ہوتا۔ آراء کے اختلاف پر مبنی مسائل کی کثرت کی وجہ سے یہ کتاب کتب الخلاف کے زمرے میں شامل دکھائی دیتی ہے۔

خلاصۂ بحث

سطور بالا میں ابن ابی العز کے ہدایہ پر وارد ہونے والے اشکالات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس آرٹیکل کے مندرجات میں اشکالات کو بیان کرنے میں ابن ابی العز کا اسلوب بھی بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے وہ صاحب ہدایہ کی اس عبارت کو نقل کرتے ہیں جس میں کوئی اشکال موجود ہو۔ اس کے بعد" فیہ نظر" کے الفاظ سے اپنے اشکال کو بیان کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ان الفاظ کے بغیر ہی اشکال بیان کر دیتے ہیں اور پھر اپنے موقف کے حق میں دلائل ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح ابن ابی العز "التنبیہ علی مشکلات الهدایۃ" میں بعض ایسے مقامات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں، جن میں صاحب ہدایہ کی عبارت میں ایسا سقم اور رکاکت پائی گئی، جس کی وجہ سے زیرِ بحث مسئلہ کے فہم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ان مقامات میں سے چند ایک کو بھی سپردِ قرطاس کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ابن ابی العز ان تمام اشکالات میں حق بجانب ہیں یا ان سے تسامح واقع ہوا ہے؟ مندرجہ بالا سطور کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ابن ابی العز کی رائے تمام اشکالات میں صائب نہیں ہے، بلکہ بعض مقامات پہ ان سے بھی تسامح واقع ہوا ہے، خصوصاً وہ مقامات جہاں وہ دیگر تمام محدثین کی آراء کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور حدیث کے دیگر طرق کو درخورِ اعتناء نہ سمجھتے ہوئے فقط امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان مقامات میں سے بعض کی نشاندہی سطورِ بالا میں کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں "التنبیہ علی مشکلات الهدایۃ" اسم با مسمّٰی نہیں ہے کیونکہ اس کے تفصیلی تجزیہ سے کئی ایسے اشکال بھی سامنے آتے ہیں جن کا تعلق براہِ راست صاحب ہدایہ سے نہیں بلکہ مجموعی طور پر فقہ حنفی سے ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن میں اختلافات کا دائرہ کار وسیع ہے اور ان میں صاحب التنبیہ نے فقہ حنفی کے موقف کو ضعیف قرار دیتے ہوئے دیگر ائمہ کی رائے کو قوی قرار دیا ہے۔ اس طرز عمل سے مشکلات ہدایہ پر ہی بحث وتنبیہ کا جو تاثر کتاب کے نام سے ابھرتا ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں چند ایک مثالوں کے ساتھ حقیقتِ حال واضح کرنے کی مقدور بھر سعی کی گئی ہے۔

مصادر ومراجع

1.Ibn e Abi al-'iz, 'Ali Bin 'Ali, Al- Tanbih 'Ala Mushkilat Al-Hidayah ,Maktabah Al-Rushd, Riyad, Edition:1, 1422 AH

2.Al-Murghinani, 'Ali Bin Abi Bakar, Al-Hidayah ,Dar Ihya Al-Turath Al-'Arabi, Bairoot

3.Ibn Al-Hammam, Kamal Al-Din Muhammad Bin 'Abdul Wahid, Fath al-Qadir, Dar al-Fikr, Bairoot

4.Abdul Razzaq, Abu Bakar Bin Hammam, Al-Musannaf ,Al-Maktab Al-Islami, Bairoot, Edition: 2,1402 AH

5.Bad al-Din 'Aini, Mahmood Bin Ahmad, Al-Binayah ,Dar al-Kutub al-'ilmiyyah, Bairoot, Edition: 1,1420 AH

6.Al-Baihiqi, Abu Bakar Ahmad Bin Al-Hussain, Ma'rifah Al-Sunnan Wa Asaar ,Jami'a Al-Darasat Al-Islamiyah, karachi, Pakistan, Edition:1, 1412 AH

7.Mulla 'Ali al-Qari, Abu al-Hassan, Miqat al-Mafatih Sharah Mishkat al-Masabih , Dar-al Fikar, Bairoot

8.Dar Qutni, Abul Hassan 'Ali bin Umar, Al-Sunnan ,Muasisah al-Risalah, Bairoot, Edition:1, 1424 AH

9.Al-Baihiqi, Ahmad Bin Al-Hussain, Al-Sunnan al-Kubra ,Dar al-Kutub al-'ilmiyyah, Bairoot, Edition: 3,1424 AH

10.Ali Bin abi Yahya, Jamal al-Din, Al-Lubab fil Jama' Bain al-Sunnah wa Kita,Dar al-Qalam, Soriya, Dimishq

11.Ala al-Din Haskafi, Muhammad bin 'Ali Bin Muhammad, Al-Durr al-Mukhtar,Dar al-Fikr, Bairoot, Edition:2